قرآنِ مجید کے لاریب ہونے کی وجہ؟

اس لئے کہ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ٥ جہانوں کے رب کا نازل کردہ ہے

اللہ رب العزت علم کا مالک ہے۔ اور ہر شئے کے متعلق علم کتاب مبین میں لکھا ہے۔ اور قرآنِ مجید کتاب مبین ہے۔ تمام تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جس نے کتاب مبین نازل فرمائی ہمارے آقا، آقائے نامدار، رحمت للعالمین رسولِ کریم ﷺ کے قلب مبارک پر۔

وَءَامَنُواْ بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ ٱلۡحَقُّ مِن رَّبِّهِمۡ

''اور اس پر ایمان لائے جو محمد ﷺ پر نازل فرمایا گیا ہے اور وہی بیانِ حقیقت ہے ان کے رب کی جانب سے'' (حوالہ سورۃ محمد ﷺ ۔۲)

آقائے نامدار ﷺ بھی ان جلیل القدر ماں باپ کے بیٹے ہیں جنہیں اس سے قبل کتاب نہیں دی گئی تھی اور جنہیں خبردار نہیں کیا گیا تھا۔

آقائے نامدار ﷺ کے جلیل القدر والدین کو ہمارا اسلام ہو۔ آقائے نامدار ﷺ کو ٱلنَّبِيَّ ٱلۡأُمِّيَّ کہا گیا ہے

وَمَا كُنتَ تَرۡجُوٓاْ أَن يُلۡقَىٰٓ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبُ إِلَّا رَحۡمَةً مِّن رَّبِّكَۖ

''اور آپ (ﷺ) تو اس جستجو/امید میں نہ تھے کہ آپ کو کتاب عنایت کی جائے،

مگر (اس کا نازل کیا جانا) یہ آپ (ﷺ) کے رب کی رحمت تھی'' (حوالہ القصص ۔۸۶)

وَكَذَٰلِكَ أَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَۚ

''اور اس لئے ہم نے آپ (ﷺ) پر کتاب نازل کی ہے'' اور اس آیت کے آخر میں فرمایا

وَمَا يَجۡحَدُ بِـَٔايَٰتِنَآ إِلَّا ٱلۡكَٰفِرُونَ ٥

''اور ہماری آیتوں کا جانتے بوجھتے ہوئے انکار صرف کافر ہی کرتے ہیں'' (حوالہ العنکبوت ۔۴۷)

وَمَا كُنتَ تَتۡلُواْ مِن قَبۡلِهِۦ مِن كِتَٰبٖ وَلَا تَخُطُّهُۥ بِيَمِينِكَۖ إِذٗا لَّٱرۡتَابَ ٱلۡمُبۡطِلُونَ ۝٤٨

''اور آپ (ﷺ) اس کتاب کے نزول سے قبل نہ کتاب میں سے پڑھنا جانتے تھے اور نہ دائیں ہاتھ سے لکھنا جانتے تھے کہ باطل راہوں پر چلنے والوں کیلئے (اس کتاب کو ماننے کیلئے) کوئی التباس ہوتا'' (العنکبوت ۔۴۸)

آقائے نامدار ﷺ کی ذات اقدس پر قرآنِ مجید کے نزول سے قبل ٱلۡأُمِّيِّـۧنَ کے دونوں معنی صادق آتے ہیں یعنی ان میں سے ہونا جنہیں پہلے کتاب نہیں دی گئی تھی اور ان پڑھ ہونا۔ دانستہ انکار کرنے والوں کے متعلق واضح فرمایا

بَلْ هُوَ ءَايَٰتٌۢ بَيِّنَٰتٌ فِى صُدُورِ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْعِلْمَ ۚ

بلکہ یہ (قرآن مجید کی) روشن آیات ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں جنہیں علم عطا کیا گیا ہے۔

وَمَا يَجْحَدُ بِـَٔايَٰتِنَآ إِلَّا ٱلظَّٰلِمُونَ ۝

اور ہماری آیتوں کا جانتے بوجھتے ہوئے انکار کوئی نہیں کرتا بجز ظالموں کے'' (العنکبوت۔۴۹)

وَمَا يَجْحَدُ بِـَٔايَٰتِنَآ إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ۝

''اور سوائے ہر عہد توڑنے والے ناشکرے کے ہماری آیات (نشانی علم، معلومات) کا کوئی انکار نہیں کرتا'' (حوالہ لقمان۔۳۲)

''یَجْحَدُ'' (واحد مذکر غائب مضارع منفی) کا مادہ ''ج ح د'' ہے اور اس کے معنی جان بوجھ کر انکار کر دینا ہیں۔ جناب راغب اور صاحب محیط نے کہا ہے کہ اس کے معنی اس چیز کا انکار کر دینا ہے جس کا اقرار دل کے اندر ہو اور اس کا اقرار کرنا جس کا انکار دل کے اندر ہو۔ یہ ایسا انکار ہے جو کسی شک وشبہ کی بناء پر نہ ہو بلکہ جانتے بوجھتے ہوئے محض ضد اور سرکشی کی بناء پر ہو۔

وَجَحَدُوا۟ بِهَا وَٱسْتَيْقَنَتْهَآ أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۚ

''اور انہوں نے جانتے بوجھتے ہوئے ظلم اور سرکشی سے انکار کر دیا، اگرچہ ان کے دلوں نے ان پر یقین کر لیا تھا'' (حوالہ النمل۔۱۴)

اگر اللہ کا کوئی ایسا بندہ جو دانشور، مفکر اور عالم کے طور پر مشہور ہو یہ کہے کہ جو باتیں اب وہ سنا اور بتا رہا ہے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں سے ہیں تو ان باتوں کا انکار کوئی شخص شک، التباس اور الجھاؤ کی بناء پر بھی کر سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ باتیں بھی اُس کی اپنی ہوں۔ لیکن اگر یہ بندہ وہ ہو جسے کتاب کے نزول سے قبل کتاب کو پڑھنا اور لکھنا بھی نہ آتا ہو تو باطل راہوں پر چلنے والوں کیلئے بھی اُن کی بات کو تسلیم کرنے کیلئے کسی شک اور ریب کی گنجائش نہیں ہوتی اور ان کا انکار محض ضد کی بناء پر دانستہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے نزول سے قبل آقائے نامدار رسول کریم ﷺ کو پڑھنا لکھنا نہیں آتا تھا اور انہیں پڑھنے لکھنے پر عبور نزول قرآن مجید پر ہوا۔ ایک اور بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ آقائے نامدار رسول کریم ﷺ دائیں ہاتھ سے کام کرتے ہیں إِذًا لَّٱرْتَابَ ٱلْمُبْطِلُونَ ۝ اگر آقائے نامدار رسول کریم ﷺ کو قرآن مجید کے نزول سے قبل کتاب پڑھنے اور لکھنے پر عبور حاصل ہوتا تو باطل باتوں میں محو رہنے والوں کیلئے اسے ماننے سے انکار کرنے کا ایک بہانہ یہ ہو سکتا تھا کہ انہیں شک، ریب، الجھاؤ، التباس ہے کہ شاید کتاب اُن کی اپنی تصنیف ہو۔ آقائے نامدار رسول کریم ﷺ کو قرآن مجید کے نزول سے قبل چونکہ پڑھنا اور لکھنا نہیں آتا تھا اس لئے اس گمان کی گنجائش بھی نہ تھی کہ جو کچھ وہ سنا رہے ہیں وہ آقائے نامدار رسول کریم ﷺ کا اپنا بیان اور تصنیف ہے۔ آقائے نامدار ﷺ سے فرمایا گیا کہ لوگوں کو یہی دلیل دیں:

قُل لَّوْ شَآءَ ٱللَّهُ مَا تَلَوْتُهُۥ عَلَيْكُمْ وَلَآ أَدْرَىٰكُم بِهِۦ ۖ

''آپ (ﷺ) فرمائیں ''اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں یہ (قرآن مجید) نہ سناتا اور نہ وہ تمہیں اس کی خبر دیتا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِۦٓ

اس لئے کہ میں تو اس سے قبل ایک عمر تمہارے درمیان رہ چکا ہوں (اس وقت تو میں نے تمہیں کتاب نہیں سنائی تھی)

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

کیا تم عقل و فکر سے کام نہیں لیتے (اس نکتے پر غور و فکر نہیں کرو گے، اس فرق کو نہیں دیکھتے)؟" (یونس۔۱۶)

ایک بات واضح کرتے چلیں کہ کسی شخص کا "ان پڑھ" ہونا یعنی کتاب کو پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت سے بے بہرا ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس بندے کے پاس علم و معرفت نہیں۔ کسی بندے کے علم و معرفت کی پہچان کیا ہے؟ علم و معرفت پنہاں شئے کا نام ہے جو انسان کے ذہن میں محفوظ ہوتا ہے۔ علم و معرفت کا اظہار انسان کے عمل اور روش سے ہوتا ہے۔ غفلت لاعلمی کی مظہر ہے۔ احتیاط اور حیا علم و معرفت کی مظہر ہے۔ غفلت اور احتیاط میں فرق اور فاصلہ بہت طویل ہے۔ حیا ہر لمحہ احتیاط کی طالب ہے۔ قرآنِ مجید کے نزول سے قبل آقائے نامدار، نبی امی ﷺ کی علم و معرفت کو اگر کسی نے جاننا ہے تو اس کیلئے سوال اللہ تعالیٰ سے کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تو آپ ﷺ کی علم و معرفت کی بلندیوں کو واشگاف الفاظ میں افشاء کر دیا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نزول قرآن مجید سے قبل کیا تھے؟ اَلْمُزَّمِّلُ اور اَلْمُدَّثِّرُ۔ ہمارے رب نے ہمارے آقا، آقائے نامدار ﷺ کو ان ناموں سے پکارا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کو ان ناموں سے خطاب کرنا آپ ﷺ کے علم و معرفت کا اعتراف بھی ہے اور واشگاف اعلان بھی۔ اَلْمُزَّمِّلُ کا مادہ "ز م ل" ہے جس کے معنی بہت زیادہ احتیاط برتنے، اپنے بوجھ کو نہایت ذمہ دارانہ اور احسن انداز میں اٹھانے والے شخص کے ہیں اور اَلْمُدَّثِّرُ کا مادہ "د ث ر" ہے اور معنی کپڑے، چادر میں لپٹ جانا ہیں۔ چادر کو لپیٹنے میں بھی احتیاط اور حیا ہی کا پہلو ہے۔ انسان نیند میں اپنے جسم سے غافل ہو جاتا ہے اور اس کے بعض اعضاء من مانی کر سکتے ہیں۔ چادر میں لپٹے ہوئے انسان کے جسم کی "عفت" حالت نیند کی غفلت میں بھی دوسروں سے پنہاں اور محفوظ رہتی ہے۔ میرے آقا، آقائے نامدار پر درود و سلام ہے ہر لمحہ صبح و شام۔

آقائے نامدار ﷺ پر قرآنِ مجید نازل فرمایا گیا تو ان کا فوری ردعمل یہ تھا:

ءَامَنَ ٱلرَّسُولُ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِۦ

"رسول ایمان لائے اس پر جو ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا" (حوالہ البقرۃ۔۲۸۵)

اور آقائے نامدار ﷺ سے لوگوں کو واضح اور دوٹوک انداز میں "نازل کیا گیا" کا مطلب سمجھانے کیلئے اس بات کو یوں بتانے کیلئے کہا

وَقُلْ ءَامَنتُ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ مِن كِتَٰبٍ

"اور آپ (ﷺ) کہیں "میں اس پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب (قرآنِ مجید) میں نازل کیا ہے" (حوالہ الشوریٰ۔۱۵)

اور اسی سورۃ کی آیت ۵۱ میں یہ حقیقت بتائی ''اور کسی بشر کیلئے یہ نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی، یا آڑ رکاوٹ کے پیچھے سے، یا کوئی رسول بھیجے اور وہ اس کی اجازت سے اور جو وہ چاہے وہ وحی کرے۔ وہ عالی مرتبہ اور دانا ہے''۔ اور پھر فرمایا

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا

''اور اسی طرح (رسول کے ذریعے اور افقِ اعلیٰ سے اوپر قربتوں کے مقام پر خود)

ہم نے آپ (ﷺ) کی طرف اپنے امر کی روح (قرآنِ مجید) وحی کیا ہے۔

مَا كُنتَ تَدْرِى مَا ٱلْكِتَـٰبُ وَلَا ٱلْإِيمَـٰنُ

آپ (ﷺ) اس کوشش میں نہیں تھے کہ (نزول) کتاب اور اس پر ایمان لانا کیا ہے''

ایک ٱلنَّبِىَّ ٱلْأُمِّىَّ کو کتاب عطا فرما کر رسالت کے فرائض سونپے جا رہے ہیں اور لوگوں کو غیر مبہم انداز میں پہلے یہ واضح کیا گیا کہ ''آپ (ﷺ) تو اس جستجو/امید میں نہ تھے کہ آپ کو کتاب عنایت کی جائے''۔ ''تَرْجُوٓا'' کا مادہ ''ر ج و'' ہے جس کے معنی ''امید'' ہیں (یاس/ناامیدی کی ضد) (تاج)۔ بالعموم یہ ایسی امید کو کہتے ہیں جو موہوم نہ ہو۔ ''تَدْرِىٓ'' کا مادہ ''د ر ي'' ہے اور ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنوں میں کسی چیز کا قصد کرنا اور اسے طلب کرنا ہیں۔ ادراک کا مفہوم کسی بات کو جان لینا، اس سے آگاہ ہونا ہیں۔ اور کسی بھی بات کو جاننے اور پانے کیلئے اس کا ''پیچھا'' کرنا پڑتا ہے، اس کیلئے قصد اور جستجو کرنی پڑتی ہے۔ ایک ان پڑھ بندہ حقیقت کی جستجو میں تو ہوتا ہے لیکن کتاب کی جستجو میں نہیں کیونکہ کتاب تو اسے پڑھنا ہی نہیں آتی۔ ٱلنَّبِىَّ ٱلْأُمِّىَّ آقائے نامدار ﷺ ذاتی طور پر اس امید اور جستجو میں نہیں تھے کہ ان پر کتاب نازل کی جائے گی اور سورۃ الشوریٰ میں کھول کر بتا دیا کہ قرآنِ مجید ان کی ذاتی خواہش اور کاوش کا نتیجہ نہیں ہے کہ آقائے نامدار ﷺ کی ذاتِ اقدس سے کوئی اسے منسوب کر سکے۔ آقائے نامدار ﷺ تو یہ جاننے کی کوشش میں بھی نہیں تھے کہ نزولِ کتاب اور اس پر ایمان لانا کیا ہوتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ رحمت نازل فرمائی تو اس پر ایمان لانے اور قرآنِ مجید کے حوالے سے سرِ تسلیم خم کرنے والے اول مسلم وہی تھے۔ ''آپ (ﷺ) فرمائیں ''اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں یہ (قرآنِ مجید) نہ سناتا اور نہ وہ تمہیں اس کی خبر دیتا اس لئے کہ میں تو اس سے قبل ایک عمر تمہارے درمیان رہ چکا ہوں''۔

زیرِ بحث نکتے کو زیادہ گہرائی میں سمجھنے کیلئے آقائے نامدار رسول کریم ﷺ کی گفتگو کو آئیں انتہائی انہماک سے سنیں:

قُلْ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِن كُنتُمْ فِى شَكٍّ مِّن دِينِى فَلَآ أَعْبُدُ ٱلَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ

''آپ (ﷺ) بتائیں ''اے لوگو! اگر میرے دین (طریقے) کے متعلق تم شک میں ہو تو

میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو،

وَلَـٰكِـنۡ أَعۡبُـدُ ٱللَّـهَ ٱلَّـذِى يَتَـوَفَّىٰكُمۡ‌ۖ

بلکہ میں اس اللہ کی بندگی کرتا ہوں جو تمہیں وفات دیتا ہے'' (حوالہ یونس ۱۰۴)

رسولِ کریم ﷺ اپنے دین کے متعلق الناس کو بتا رہے ہیں۔اور اس وقت قریش مکہ کو بتا رہے تھے کہ وہ ٱلدِّينُ ٱلۡقَيِّمُ پر ہیں یعنی صرف اللہ کی بندگی کرتے ہیں اور آپ کا دین ان کی طرح کا نہیں ہے۔ آقائے نامدار ﷺ نے اہلیان مکہ کی اکثریت کو وہ بات بتائی جو آپ ﷺ اور اُن کے درمیان حد فاصل تھی۔اللہ تعالیٰ کو مشرکین مکہ بھی مانتے تھے اور اسے ہی خالق، رازق اور مالک مانتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو بھی الٰہ سمجھتے تھے اور پرستش کرتے تھے ''میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو''۔
رسولِ کریم ﷺ نے اپنے دین کے متعلق واضح فرمایا اور قرآنِ مجید کے نزول پر انہیں جو حکم ملا تھا اس کے متعلق ارشاد فرمایا

وَأُمِرۡتُ أَنۡ أَكُونَ مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ

''اور مجھے کہا گیا تھا کہ میں (نازل کردہ قرآنِ مجید پر) ایمان لانے والوں میں ہو جاؤں''

وَأَنۡ أَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلۡمُشۡرِكِينَ ۝

اور یہ (مجھے کہا گیا تھا) کہ ''اپنا منہ دین پر قائم کئے رکھیں حَنِيفًا اور مشرکوں میں ہرگز نہ ہو جانا'' (حوالہ یونس۔۱۰۴۔۱۰۵)

اور آپ ﷺ کو جس نازل کردہ پر ایمان لانے کیلئے کہا گیا تھا اس کے متعلق لوگوں کو یہ بتانے کیلئے فرمایا:

قُلۡ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ ٱلۡحَقُّ مِن رَّبِّكُمۡ‌ۖ

آپ (ﷺ) فرمائیں ''اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے حق (قرآنِ مجید) آ گیا ہے

فَمَنِ ٱهۡتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهۡتَدِى لِنَفۡسِهِۦ‌ۖ

اب جو راہ ہدایت پر چلا وہ اپنے (فائدے کے) لئے چلے گا

وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا‌ۖ وَمَآ أَنَا۠ عَلَيۡكُم بِوَكِيلٍ ۝

اور جو غافل ہوا تو وہ اپنے خلاف ہی بھٹکے گا اور میں تمہارا کچھ ذمہ دار (وکیل) نہیں'' (یونس۔۱۰۸)

رسولِ کریم ﷺ سے فرمایا گیا کہ پہلے لوگوں کو اپنے دین کے متعلق بتائیں اور پھر انہیں اس حکم کے متعلق بتائیں جو انہیں نزولِ قرآنِ مجید پر ملا ہے۔اور آقائے نامدار ﷺ نے اس حکم کو عین انہی الفاظ میں دہرایا جن میں یہ حکم ملا تھا فَأَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا‌ۚ

''اس لئے اپنا منہ دین پر قائم کئے رکھیں حَنِيفًا'' (حوالہ الروم۔۳۰)

ایک حَنِیۡفًا بندے ہی کو جو اَلدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ پر قائم ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اِس پر ثابت قدم رہے اور جس بناء پر وہ حَنِیۡفًا 'صرف اللہ ہی کو اِلٰہ ماننے والا'' نہیں رہے گا اُس سے اُسے منع کیا جائے گا۔ ارفع ،مثبت بات پر قائم ودائم رہنے کی نصیحت کی جاتی ہے اور پست، منفی بات کے متعلق کہا جاتا کہ جس طرح ماضی میں اختیار نہیں کیا ویسے ہی حال اور مستقبل میں بھی اُسے اختیار نہ کرنا اور اس انداز بیان سے نہ صرف ارفع اور پست ،مثبت اور منفی نکھر کر واضح ہو جاتے ہیں بلکہ ارفع ،مثبت بات کی اہمیت زیادہ اجاگر ہو جاتی ہے رسول کریم ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ ایمان لانے والوں میں ہو جاؤں اور وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ اور مشرکوں میں ہرگز نہ ہو جانا'' (حوالہ یونس ۔۱۰۴۔۱۰۵) ۔اس کے موقع محل کے متعلق وضاحت یہ ہے

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَٰبًا فِى قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ إِنْ هَٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٧﴾

''اے رسول کریم (ﷺ)! اور اگر ہم نے آپ پر (قرآن مجید) نازل کیا ہوتا لکھا ہوا کاغذوں پر

اور لوگوں نے اُس (لکھے ہوئے قرآن مجید) کو اپنے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ بھی لیا ہوتا

تب بھی جنھوں نے حق کا انکار کیا ہے وہ یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے'' (الانعام ۔۷)

قُلْ إِنِّىٓ أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ

آپ (ﷺ پرانی بات بتانے کیلئے) فرمائیں ''اور مجھے کہا گیا تھا (قرآن مجید کے نزول پر) کہ میں اول ہوں جس نے تسلیم کیا''

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ۝

اور یہ کہ ''مشرکوں میں ہرگز نہ ہو جانا'' (حوالہ الانعام ۔۱۴)

وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا۠ أَوَّلُ ٱلْمُسْلِمِينَ ۝

''اور یہی مجھے کہا گیا تھا، اور میں تسلیم کرنے والوں میں سب سے اول ہوں'' (حوالہ الانعام ۔۱۶۳)

زیر بحث نکتے کو زیادہ واضح طور پر سمجھنے کیلئے سورۃ النمل، الزمر اور سورۃ غافر کی اس نکتے رموضوع پر آیات کو پڑھتے ہیں

إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ ٱلْبَلْدَةِ ٱلَّذِى حَرَّمَهَا وَلَهُۥ كُلُّ شَىْءٍ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٩١﴾ وَأَنْ أَتْلُوَا۟ ٱلْقُرْءَانَ ۖ فَمَنِ ٱهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِى لِنَفْسِهِۦ ۖ وَمَن ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُنذِرِينَ ﴿٩٢﴾

''مجھے کہا گیا تھا کہ میں اس شہر کے رب کی بندگی کروں جس نے اسے محترم بنایا ہے، اور جو ہر شئے کا مالک ہے،

اور مجھے کہا گیا تھا کہ میں تسلیم کرنے والوں میں ہو جاؤں اور یہ کہ قرآن (مجید) سناؤں "۔

(آپ ﷺ نے سنا دیا ہے، یہ "قول" پہنچا دیا ہے) اس لئے جو راہ پر چلا وہ صرف اپنے لئے چلے گا

اور جو کوئی غافل ہو گیا تو آپ بتا دیں "میں تو صرف خبردار کرنے والوں میں سے ہوں" (النمل۔۹۱-۹۲)

إِنَّآ أَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ بِٱلۡحَقِّ فَٱعۡبُدِ ٱللَّهَ مُخۡلِصٗا لَّهُ ٱلدِّينَ ﴿٢﴾

ہم نے آپ (ﷺ) پر کتاب (قرآن مجید) کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اور آپ اللہ کی بندگی کریں اُسکے دین کیلئے مخلص رہتے ہوئے

قُلۡ إِنِّيٓ أُمِرۡتُ أَنۡ أَعۡبُدَ ٱللَّهَ مُخۡلِصٗا لَّهُ ٱلدِّينَ ﴿١١﴾

آپ (ﷺ) کہیں "مجھے کہا گیا تھا (حوالہ سورۃ الزمر کی آیت ۲) کہ میں اللہ کی بندگی کروں اس کے دین سے مخلص رہتے ہوئے"

وَأُمِرۡتُ لِأَنۡ أَكُونَ أَوَّلَ ٱلۡمُسۡلِمِينَ ﴿١٢﴾

اور مجھے کہا گیا تھا (الانعام آیت۔۱۴ قرآن مجید کے نزول پر) کہ تسلیم کرنے والوں میں سب سے اول میں ہوں "

قُلۡ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّي عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيمٖ ﴿١٣﴾

آپ (ﷺ) کہیں "اگر میں اپنے رب کی بات تسلیم کرنے سے (اُس وقت) انکار کرتا تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں"

قُلِ ٱللَّهَ أَعۡبُدُ مُخۡلِصٗا لَّهُۥ دِينِي ﴿١٤﴾

آپ (ﷺ) کہیں "میں تو اللہ کی بندگی کرتا ہوں اس کیلئے مخلص رہتے ہوئے اپنے دین میں

فَٱعۡبُدُواْ مَا شِئۡتُم مِّن دُونِهِۦۗ قُلۡ إِنَّ ٱلۡخَٰسِرِينَ ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓاْ أَنفُسَهُمۡ

وَأَهۡلِيهِمۡ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِۗ أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ ٱلۡخُسۡرَانُ ٱلۡمُبِينُ ﴿١٥﴾

اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوائے تم لوگ جس کی چاہو غلامی کرو"

آپ (ﷺ) انہیں (یہ بھی) بتائیں "نقصان اٹھانے والے وہ ہیں

جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو روز قیامت کو نقصان میں ڈالا۔ سنو! یہی حقیقی نقصان ہے" (الزمر۔۲،۱۱-۱۵)

قُلۡ إِنِّي نُهِيتُ أَنۡ أَعۡبُدَ ٱلَّذِينَ تَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ لَمَّا جَآءَنِيَ ٱلۡبَيِّنَٰتُ

مِن رَّبِّي وَأُمِرۡتُ أَنۡ أُسۡلِمَ لِرَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿٦٦﴾

"آپ (ﷺ) کہیں "مجھے منع کیا گیا تھا، جب میرے رب کی جانب سے واضح آیات (قرآن مجید) آئی تھیں، کہ ان کی غلامی کروں

جنہیں تم لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ اور مجھے کہا گیا تھا کہ میں سارے جہانوں کے رب کا فرمانبردار رہوں" (غافر۔۶۶)

ان سورۃ النمل، الزمر اور سورۃ غافر کی آیات مبارکہ سے واضح ہے کہ آقائے نامدار ﷺ سے قرآنِ مجید کے نزول پر کہا گیا تھا کہ اِس کو تسلیم کرنے میں اول آپ ﷺ ہوں اور منع فرمایا تھا کہ آئندہ بھی اللہ تعالیٰ کے سوائے جنہیں لوگ پکارتے ہیں ان کی عبادت نہیں کرنا، یعنی مشرکوں میں نہیں ہونا بلکہ اپنے ماضی کی طرح بندگی کرتے رہیں اُس کیلئے مخلص رہتے ہوئے اپنے دین میں۔ اور آپ ﷺ سے فرمایا گیا تھا کہ اپنے دین اور روش کے متعلق لوگوں کو بتادیں اور انہیں قرآنِ مجید سنادیں اور واضح کردیں کہ آپ کے ذمہ انہیں غفلت سے بیدار کرنا ہے۔ اس لئے ان سے یہ کہنے کیلئے بھی کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے جس کی چاہے وہ لوگ غلامی کرتے رہیں لیکن نتیجے کے ذمہ دار خود ہوں گے اور خود ہی بھگتیں گے۔ ''اُمِـرْتُ'' امر سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے۔ (فعل ماضی مجہول بنانے کیلئے پہلے حرف پر پیش اور دوسرے حرف پر زیر ہوجاتا ہے)۔ ''مجھے یہ کرنے کیلئے کہا گیا تھا، حکم دیا گیا تھا''۔ رسول کریم ﷺ بتارہے ہیں کہ انہیں فلاں فعل کرنے کیلئے کہا گیا تھا۔ یہ کب کہا گیا تھا اور اس فعل کا تعلق کس بات سے تھا اُسے اس سے واضح کردیا ''اور یہ کہ قرآنِ مجید لوگوں کو سناؤں''۔ ''عَصَيْتُ'' بھی ماضی کا صیغہ واحد متکلم ہے۔ اس کے معنی کسی کی بات کو تسلیم کرنے، ماننے سے انکار کرنا ہیں۔ عربی لفظ ''نُهِيتُ'' بھی واحد متکلم ماضی مجہول کا صیغہ ہے ''مجھے منع کیا گیا تھا''۔ کب منع کیا تھا؟ یہ اس وقت (فعل نہی) منع کیا گیا تھا جب ایک امر کیلئے کہا گیا تھا یعنی جب آپ ﷺ پر قرآنِ مجید نازل ہونا شروع ہوا تھا۔ ''لَمَّا'' کے معنی ''جب'' ہیں۔ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ ''اور جب وہ مدین کے پیاؤ پر پہنچے'' (حوالہ القصص۔۲۳)۔ اس طرح واضح ہے کہ ''لَمَّا'' اسم ظرف ہے اور ''حِيْنَ'' کا ہم معنی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''لَمَّا'' ''اِذْ'' کی طرح کا ہوتا ہے۔ ''اِذْ'' کا مدخول بھی جملہ ماضیہ ہوتا ہے اور ''لَمَّا'' کا بھی۔ ''لَمَّا'' کی جزاء کا فعل ماضی ہونا بالاتفاق صحیح ہے۔ جَآءَ ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور قرآنِ مجید کیلئے ہمیشہ مذکر الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ''دِيْنِيْ'' میں دِيْنِ مضاف، ''ی'' ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ معنی ''میرا دین، طریقہ''۔

آقائے نامدار، نبی امی ﷺ جب منصب رسالت پر فائز کردیئے گئے تو قرآنِ مجید کے نزول کے اول دن سے لوگوں کو اپنے دین یعنی طریقے کے متعلق بتاتے ہوئے ان سے مطالبہ کرتے تھے کہ اب تو قرآنِ مجید بھی نازل ہوگیا ہے اس لئے میں تمہیں خبردار کررہا ہوں کہ اس دین کو اپنا لو ورنہ نتیجے کے خود ذمہ دار ہوگے۔ آقائے نامدار ﷺ چونکہ اُن میں سے نہیں تھے جو بات کو جبر اور زبردستی سے اس انداز سے منواتے ہیں کہ دوسرے کو گراں گزرے اس لئے واضح کردیا کہ لوگوں کی اپنی مرضی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے جس کی چاہے عبادت اور غلامی کرتے رہیں۔ اور اس بات کو قرآنِ مجید کے اختتامی خطاب میں بھی دوٹوک انداز میں دہرادیا

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْكَٰفِرُونَ ۝١

''آپ (ﷺ) فرمائیں ''اے (میری) دعوت کا انکار کرنے والو!

لَآ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٢﴾

میں ان کی غلامی نہیں کرتا جن کی تم پرستش کرتے ہو

وَلَآ أَنتُمْ عَـٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ ﴿٣﴾

اور نہ تم اس کی بندگی کرو گے جس کی بندگی میں کرتا ہوں

وَلَآ أَنَا۠ عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ﴿٤﴾

اور نہ میں اس کی غلامی کروں گا جن کی تم پرستش کرتے ہو

وَلَآ أَنتُمْ عَـٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ ﴿٥﴾

اور نہ تم اس کی بندگی کرو گے جس کی بندگی میں کرتا ہوں

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِىَ دِينِ ﴿٦﴾

تمہارا دین تمہارے لئے ہے اور میرا دین میرے لئے'' (الکافرون۔ ا۔ ٦)

آقائے نامدار ﷺ اپنی حیات طیبہ کے اول دن سے جس دین پر قائم تھے اور آپ ﷺ کے دین اور اکثر لوگوں کے دین میں بنیادی فرق اور حد فاصل کو واضح اور کھلے ترین الفاظ میں تمام انسانیت کیلئے بیان کر دیا ہے۔ آپ ﷺ کو قرآنِ مجید کے نزول کی ابتدا پر اپنے جس دین پر پہلے کی طرح اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ مخلص رہنے کیلئے کہا گیا تھا آپ ﷺ نے دعوت اور خبردار کئے جانے کا انکار کرنے والوں کے سامنے برملا اعلان فرما دیا ہے۔

آقائے نامدار ﷺ نے اسلام کو پہلی مرتبہ کائنات میں متعارف نہیں کرایا۔ آپ ﷺ سے قبل اسلام اور مسلمان دونوں موجود رہے تھے۔ فرعون نے بھی ڈوبتے وقت نعرہ لگا دیا تھا أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ''میں مسلمانوں میں سے ہوں''۔ قرآنِ مجید کے نزول سے قبل آپ ﷺ اور مکۃ المکرّمہ میں بعض لوگ (جیسے سیدنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بھی مسلمان تھے۔ ان لوگوں کیلئے اصطلاح ''حنیف'' مروج تھی جس کے معنی ایسے دین پر قائم لوگ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کو اِلٰہ مانتے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتے، توحید، اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھنے والے۔ اس بات کیلئے روایت اور تاریخ کی شہادت کی ہمیں ضرورت قطعی نہیں اور نہ ان کا مقام و مرتبہ ہے کہ کسی بات کے متعلق حتمی یقین سے کچھ کہہ سکیں اور دوسرے کو یقین دلا سکیں۔ مجھے احساس ہے کہ میں صاحب علم نہیں ہوں اس لئے جس نکتے پر ہم بحث کر رہے ہیں ممکن ہے بعض کو تشنگی کا احساس ہو کیونکہ اہل علم کی طرح بیان اور اظہار کی میرے پاس قدرت رصلاحیت نہیں اس لئے آیات مبارکہ کے الفاظ کی نفاستوں پر آپ خود توجہ مرکوز فرمائیں۔ آقائے نامدار ﷺ کے مبعوث فرمائے جانے اور قرآنِ مجید کے نزول پر اُس زمانے میں موجود مسلمانوں پر لازم تھا کہ آپ ﷺ اور قرآنِ مجید پر ایمان لائیں۔ اور انہوں نے ایسا کیا بھی تھا۔

ٱلَّذِينَ ءَاتَيْنَـٰهُمُ ٱلْكِتَـٰبَ مِن قَبْلِهِۦ هُم بِهِۦ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾

''جن کو ہم نے اس (قرآن مجید) سے قبل کتاب دی تھی وہ اس کو مانتے ہیں۔

وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا بِهِۦٓ إِنَّهُ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّنَآ إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلِهِۦ مُسْلِمِينَ ﴿٥٣﴾

اور جب انہیں یہ (قرآنِ مجید) سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں ''ہم اس پر ایمان لائے، یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے،

ہم تو اس سے قبل بھی مسلمان تھے'' (القصص۔۵۲۔۵۳)

''يُتْـلَىٰ'' واحد مذکر غائب مضارع مجہول ''جب یہ قرآنِ مجید پڑھا جاتا ہے''۔ قرآنِ مجید لازوال تفسیر حقیقت ہے۔ یہ تمام انسانیت کیلئے ہے جن میں مجھ جیسے کم فہم لوگ بھی موجود ہیں۔ اس لئے قرآنِ مجید نفیس اور باریک نکات کو بھی آسان فہم بنا دیتا ہے۔ ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام نے کعبہ کی تعمیر کی ابتدا پر دعا مانگی تھی اور اللہ تعالیٰ کے ٱلْبَيْتِ کی تعمیر مکمل ہونے پر جلیل القدر باپ بیٹے نے موقع کی عظمت کے شایان شان جو مانگا تھا اس سے زیادہ مانگنے کیلئے کچھ تھا بھی نہیں۔ آئیں غور سے سنیں

رَبَّنَا وَٱجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

''یارب! آپ ہم (باپ بیٹے) کو اپنے دو مسلمان بنائیں

[مُسْلِمًا اسم فاعل، واحد مذکر، اسلام مصدر۔ مُسْلِمَيْنِ اسم فاعل تثنیہ مذکر]

وَمِن ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

اور ہماری ذریت (نسل، اولاد) میں سے اپنی ایک مسلمان نسل بنا''

[مُّسْلِمَةً اسم فاعل، واحد مونث] (حوالہ البقرۃ۔۱۲۸)

رَبَّنَا وَٱبْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْهِمْ ءَايَـٰتِكَ (حوالہ البقرۃ۔۱۲۹)

''ہمارے رب! (ہماری) اس اولاد کے درمیان مبعوث فرما ایک رسول اسی (امت مسلمہ) میں سے جو انہیں تیری آیات سنائے''

باپ بیٹا یعنی ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام اکٹھے دعا مانگ رہے ہیں وَمِن ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اس لئے اس دعا میں التماس چونکہ اولاد کے حوالے سے ہے اس لئے ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں تو دوسری اولاد اسحاق علیہ السلام بھی شامل ہیں لیکن اسماعیل علیہ السلام کی دعا کا تعلق ان کی اپنی اولاد سے ہوگا۔ لیکن آخر میں مسلم امت بننے والی اپنی اولاد، نسل میں سے ان کے درمیان صرف ایک رسول کو مبعوث کرنے کی خواہش کا اظہار کر رہے ہیں جس کا ایک ہی مطلب ہے کہ دعا کی اس بات میں باپ بیٹے کی سانجھ ہے یعنی وہ رسول اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہو۔ اللہ کے جلیل القدر ان دو بندوں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اسماعیل علیہ السلام

کی نسل میں آخری رسول خاتم النبیین مبعوث فرمایا جائے۔ اُن کی دعا کے الفاظ کے معنی اور مفہوم ہم عجمی جو چاہے سمجھتے رہیں لیکن جس کو سنائے گئے تھے اس نے ان کے معنی اور مفہوم واضح کر دیئے تھے کہ زمان و مکاں کو معلوم ہے کہ ان باپ بیٹے کی دعا کو شرف قبولیت بخشا گیا تھا کہ اسماعیل علیہ السلام کی مسلم اولاد اور نسل میں صرف ایک رسول آقائے نامدار ﷺ کو خاتم النبیین مبعوث فرمایا گیا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے خلیل اور اپنے لئے بصد شوق ذبح ہو جانے کو مان لینے والے کی بات مان لی تھی لیکن ہم پر تو اُس کا یہ احسان عظیم ہے۔ دوستو! آئیں ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام اور رسول کریم ﷺ کے رب کو ایک سجدہ شکر کریں

آقائے نامدار ﷺ فرائض رسالت تفویض کئے جانے سے قبل حَنِيفًا اور قرآنِ مجید کے نزول پر اول حَنِيفًا مُّسۡلِمًا ہیں۔ آقائے نامدار، رسولِ کریم ﷺ پر درود و سلام ہے ہر لمحہ صبح و شام۔ یارب! تو سچ کہتا ہے کہ مَا قَدَرُواْ ٱللَّهَ حَقَّ قَدۡرِهِۦٓ ہم نے اللہ کی وہ قدر نہیں کی جتنی اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ یارب! تو ہمیں معاف فرما! تیری قدر کا ادراک تو تب کرتے اگر ہم تیری اس عظیم تخلیق، عظیم بندے کے مقام و مرتبہ کو سمجھ پاتے۔ تو ان کی عمر کی قسم کھاتا ہے(لَعَمۡرُكَ تیری عمر، زندگی کی قسم حوالہ الحجر۔۷۲)اور ایک ہم ہیں کہ ان کی عمر کو خانوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ یارب! تو معاف فرما! تیرے اس احسان کی ہم قدر کرتے ہیں اور شکر گزار ہیں کہ تو نے انہیں مبعوث فرمایا اور گواہی دیتے ہیں کہ ان کا ہر لمحہ قرآنِ مجید کے نزول سے قبل اور بعد میں بھی صرف تیرے لئے ہے اگر چہ تیری اور رسولِ کریم ﷺ کی گواہی کے بعد کسی گواہی کی کوئی اہمیت نہیں۔

حَنِيفًا انسان کی اوج ہے۔ اور شرک انسان کو پستیوں میں گرا دیتا ہے۔ ٱلدِّينُ ٱلۡقَيِّمُ ''اللہ اِ لہٰ ہے'' کی دائمی حقیقت پر یقین جب تک غیر متزلزل رہتا ہے انسان آسمان کی رفعتوں میں ہوتا ہے

وَمَن يُشۡرِكۡ بِٱللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ ٱلسَّمَآءِ

''اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے تو وہ ایسے ہے جیسے آسمان میں سے نیچے گر گیا''۔

اِ لہٰ سے اپنا تعلق ارادہ واختیار سے جس انسان نے جب خود منقطع کر لیا تو اس کی حیثیت و وقعت کیا رہ جاتی ہے؟ اس مثال سے واضح فرمایا

فَتَخۡطَفُهُ ٱلطَّيۡرُ

''پھر چاہے پرندے اس پر جھپٹ پڑیں

أَوۡ تَهۡوِي بِهِ ٱلرِّيحُ فِي مَكَانٖ سَحِيقٖ

یا ہوا دور دراز جگہ پر اسے جا پھینکے''(حوالہ الحج۔۳۱)

اسماعیل علیہ السلام اور آقائے نامدار ﷺ کے مابین پشت در پشت زمان کا ایک طویل فاصلہ ہے اور واضح رہے کہ آقائے نامدار ﷺ نے بنی اسماعیل ہی کو قرآنِ مجید کے ذریعے سب سے پہلے خبر دار کرنا تھا

أَمْ يَقُولُونَ ٱفْتَرَىٰهُ ۚ بَلْ هُوَ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّآ أَتَىٰهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣﴾

''کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کو از خود تصنیف کر لیا ہے۔ نہیں! حقیقت یہ ہے کہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے تاکہ آپ (ﷺ) ان لوگوں کو خبردار کریں جن کے پاس آپ سے قبل خبردار کرنے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ صحیح راہ پر چلیں'' (السجدہ۔۳)

لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّآ أُنذِرَ ءَابَآؤُهُمْ فَهُمْ غَٰفِلُونَ ﴿٦﴾

''تاکہ آپ (ﷺ) (سب سے پہلے) اس قوم (نسل اسماعیل علیہ السلام) کو خبردار کریں جن کے باپ دادا کو خبردار نہیں کیا گیا اس لئے وہ غفلت میں پڑے ہیں'' (یٰس۔۶)

حرف 'ف' ترتیب بیان کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے یعنی یہ ہوا، پھر یہ ہوا، پھر یہ ہوا۔ یہ تعقیب کیلئے بھی ہوتا ہے یعنی ایک واقعہ کے بعد جتنی مدت میں دوسرا واقعہ ہوتا ہو اس مدت میں وہ ہو جائے تو اس کا اظہار بھی حرف ''ف'' سے کرتے ہیں۔ دو واقعات کے مابین حرف ''ف'' کا استعمال ہوتا ہے جب قبل والا واقعہ بعد والے واقعہ کا سبب ہو۔ اور حرف ''ف'' واؤ عاطفہ یعنی ''اور'' کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ حرف 'ف' کے استعمال کے جس کسی انداز کو اپنایا جائے مفہوم ایک ہی واضح ہوگا کہ ان کی غفلت کی وجہ کسی رسول کا نہ آنا اور اس کے نتیجے میں ان کے پاس کتاب کی عدم موجودگی تھی اور یوں ٱلْأُمِّيِّـۧنَ تھے۔ زمان میں انسان اور مختلف قوموں کے رویئے سے آگاہی ہونے کی بناء پر ہمارے لئے ان کے بگاڑ اور غفلت کو سمجھنے میں کوئی حیرانگی اور پیچیدگی نہیں۔ لیکن یہ سوال اہم ہے کہ درمیانی عرصے میں کسی بھی خبردار کرنے والے کے نہ آنے کی وجہ سے بنو اسماعیل (علیہ السلام) میں مسلم کہلانے کا پیمانہ کیا ہے؟ مسلم وہ تھا جو رب العالمین کو إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ مانتا تھا یعنی شرک نہیں کرتا تھا کہ تمام رسولوں کا بنیادی پیغام بس یہ تھا

قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ ۖ

انہوں نے کہا ''اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی الٰہ نہیں''۔

انسانوں میں مسلمین اور مجرمین کے تعین کرنے کا بنیادی پیمانہ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ کا اقرار اور انکار ہے اور ایمان اور کفر کی تقسیم اس وقت وجود میں آتی ہے جب اللہ کا رسول دعوت دیتا ہے کہ وہ اللہ کا چنا اور مخلص کیا ہوا بندہ ہوتا ہے جو شروع ہی سے حَنِيفًا اور پابندِ میثاق ہوتا ہے۔ اور حَنِيفًا کی ضد، متضاد مشرک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے چنے، مخلص کئے ہوئے بندے، نبی اور رسول لوگوں کو خبردار

کرنے کے فرائض تفویض کئے جانے سے قبل بھی لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ کے ابدی دین پر ہونے کی بناء پر مسلم ہوتے ہیں۔ اور پھر جوان پر نازل فرمایا جاتا ہے اس پر سب سے اول وہ خود سر تسلیم خم کرتے (فرمانبردار، مسلم بنتا) ہیں اور بغیر کسی اجر کے لوگوں کو خبردار کرنے کا فریضہ ادا فرماتے ہیں۔ نوح علیہ السلام نے قوم سے فرمایا تھا

فَإِن تَوَلَّيۡتُمۡ فَمَا سَأَلۡتُكُم مِّنۡ أَجۡرٍۖ إِنۡ أَجۡرِيَ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِۖ

''لیکن اگر تم (اللہ کی نازل کردہ آیتوں سے) منہ موڑتے ہو تو میں نے تم سے کوئی اجرت تو نہیں مانگی۔

میری اجرت تو صرف اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

وَأُمِرۡتُ أَنۡ أَكُونَ مِنَ ٱلۡمُسۡلِمِينَ

اور مجھے کہا گیا تھا کہ میں تسلیم کرنے والوں میں ہو جاؤں'' (یونس۔۷۲)

قرآنِ مجید میں حَنِيفًا کے معنی اور مفہوم کی تلاش سے قبل ایک واقعہ دیکھتے ہیں جس سے ہمیں اس کی روح معلوم ہو جائے گی ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں ایک جلیل القدر رسول موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اپنے اہل خانہ کے ساتھ نہ معلوم منزل کی جانب محو سفر ہیں۔ انہیں دور آگ دکھائی دیتی ہے۔ اہل خانہ کو بٹھا کر اس مقام کی طرف جاتے ہیں جہاں انہیں آگ دکھائی دی تھی۔ انہیں پکارا گیا:

يَـٰمُوسَىٰٓ إِنِّيٓ أَنَا ٱللَّهُ رَبُّ ٱلۡعَـٰلَمِينَ ''اے موسیٰ! بیشک میں اللہ ہوں، سارے جہانوں کا رب'' (حوالہ القصص۔۳۰)۔

موسیٰ علیہ السلام نے پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کہاں ہیں کہ مجھے آپ دکھائی نہیں دے رہے۔ سوال یہ ہے کہ کیوں نہیں پوچھا؟ اس لئے کہ حَنِيفًا ہیں، اللہ رب العالمین کو جانتے اور مانتے ہیں۔ اور اگر قرآنِ مجید میں محفوظ کی گئی اللہ رب العزت اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مابین ہونے والی اس دن کی گفتگو کو معمولی دھیان سے بھی سنیں تو اس مخصوص بے تکلفی کا احساس ہوگا جو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے دائیں ہاتھ میں پکڑی ہوئی شئے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کمال سادگی اور بے تکلفی سے اپنی لاٹھی (عصا) کے متعلق ایک اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔ سبحان اللہ، حمد اللہ کیلئے ہے اور سلام ہو اس کے تمام رسولوں پر۔ لیکن جو انسان حَنِيفًا نہیں بلکہ مشرک ہے اسے رب العالمین کے متعلق بتایا جائے تو کہتا ہے

قَالَ فَمَن رَّبُّكُمَا يَـٰمُوسَىٰ ﴿٤٩﴾ ''اس نے کہا'' اچھا! تمہارا رب کون ہے اے موسیٰ (علیہ السلام)!'' (طٰہٰ۔۴۹)

قَالَ فِرۡعَوۡنُ وَمَا رَبُّ ٱلۡعَـٰلَمِينَ ﴿٢٣﴾ ''فرعون بولا'' مگر سارے جہانوں کا رب کیا ہوتا ہے؟'' (الشعراء۔۲۳)

انسان زمین پر آمد کے بعد جتنے عرصہ تک حَنِيفًا رہے تھے انہیں یہ بات لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ بتانے کی نوبت آئی تھی اور نہ

ضرورت تھی کیونکہ کسی غیر موجود شئے اور ہستی کی نفی کرانے کا سوال اس وقت اٹھتا ہے جب کوئی اس کے موجود اور ہست ہونے کے متعلق غیر حقیقی گمان کرنے لگے۔اس کلمے لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ کے دو حصے ہیں۔اول لَآ إِلَـٰهَ "الہٰ کوئی بھی نہیں"۔یہ نفی کا پہلو ہے یعنی اس حقیقت کا اعتراف کہ کائنات میں کوئی طاقت، شئے، ہستی ایسی نہیں ہے جسے اِلہٰ تصور اور تسلیم کیا جا سکے۔اور کلمے کا دوسرا حصہ إِلَّا ٱللَّهُ یہ ایجابی پہلو ہے، اثبات اور اقرار کہ ایسا نہیں ہے کہ کائنات میں کوئی اِلہٰ ہے ہی نہیں۔اللہ اِلہٰ ہے۔موجود اور حقیقت کا اعتراف اور اقرار کرایا جاتا ہے۔لیکن عدم کی نفی کا اعتراف اور اقرار کرانا ایک بے معنی بات ہے۔حقیقت کے علاوہ کسی دوسرے الہٰ کا گمان اور تصور اگر ناپید ہے تو اس کی نفی یعنی لَآ إِلَـٰهَ کرانے کی ضرورت نہیں۔اس لئے زمین پر موجود قدیم ترین انسانوں سے صرف موجود اور حقیقت کا اعتراف اور اقرار کرایا گیا تھا۔سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ میں بتایا:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنۢ بَنِىٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

"اور جب تیرے رب نے آدم (علیہ السلام) کی اولاد کی نسلوں کی اولاد سے عہد لیا

وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا۟ بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَآ ۛ

اور انہیں اس پر کہ "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟" گواہ کیا تو انہوں نے کہا "کیوں نہیں! ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو رب ہے"۔

دوستو! آئیں اپنے ان قدیم ترین آباؤ اجداد کو ہم سلام کہیں اور گواہی دیں اور اقرار کریں اس سچائی کا کہ ہمارے قدیم ترین آباؤ اجداد نے شرک نہیں کیا تھا کہ ان سے اپنے رب ہونے کا اقرار کرانے کا اللہ رب العزت کا مقصد بھی یہی تھا

أَن تَقُولُوا۟ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَـٰذَا غَـٰفِلِينَ

"کہ تم (یعنی ہم جو زمان میں ان کے بعد آئے) کہیں روز قیامت یہ نہ کہہ دو کہ "ہم اس بات سے بے خبر تھے"

أَوْ تَقُولُوٓا۟ إِنَّمَآ أَشْرَكَ ءَابَآؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۢ بَعْدِهِمْ ۖ

"یا یہ کہہ دو کہ "ہمارے آباؤ اجداد پہلے سے ہی شرک کرتے تھے اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل تھے۔

أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ ٱلْمُبْطِلُونَ ۝

تو کیا (ہمارے رب) تو ہمیں ہلاک کر دے گا اس پر جو غلط کاروں نے کیا؟" (الاعراف۔۱۷۳)

یارب! ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے قدیم آباؤ اجداد نے سچ کہا تھا کہ ان کا اور ہمارا رب تو ہے۔یارب! یہ سچ اور حقیقت ہے کہ ہمارے قدیم ترین آباؤ اجداد نے شرک نہیں کیا تھا۔وہ حَنِيفًا تھے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آقائے نامدار ﷺ کیلئے قرآنِ مجید میں حَنِيفًا کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔قرآنِ مجید میں

حَنِيۡفًا دس (۱۰) مرتبہ اور اس کی جمع حُنَفَآءَ دو مرتبہ بیان ہوئی ہے۔ مختلف اہل علم کی جانب سے اس کے معنی کچھ یوں ملتے ہیں:

''ایک طرف ہونے والا، حنف (مادہ ''ح ن ف'') سے جس کے معنی گمراہی سے استقامت کی طرف مائل ہونے کے ہیں، جو کوئی راہ حق پکڑے اور سب باطل راہیں چھوڑے''۔

''الحَنَف'' پاؤں کا ٹیڑھا اور مڑا ہوا ہونا۔ اسی سے حنیف اسے کہتے ہیں جو غلط راستے سے ہٹ (مڑ) کر سیدھی راہ پر آجائے۔

تاج، محیط، راغب نے کہا ہے کہ گمراہی سے ہٹ کر استقامت (صراط مستقیم) کی طرف مائل ہونے کو کہتے ہیں۔

اس میں یکسو ہونے کا مفہوم غالب ہے۔

تفسیر المنار میں ہے کہ حنیف لغت میں مائل کو کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس لفظ کا اطلاق اس لئے کیا گیا ہے کہ ان کے زمانے میں لوگ طریقہ کفر کی پیروی کرتے تھے۔ انہوں نے ان سب کی مخالفت کی اور ان کے طریقہ سے ہٹ کر دین مستقیم اختیار کر لیا''

ارباب لغت، روایت اور جدیدیت پسند مفسرین سب کا ادب واحترام اپنی جگہ لیکن انہوں نے بھی یہ معنی اور مفہوم لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ کے فلسفے کو مدنظر رکھ کر اخذ کرنے کی بھول کی۔ ارباب لغت کے حَنِيۡفًا کے بیان کردہ معنی اور مفہوم میں وزن اور تاثر اس بات پر ہے کہ ایسا شخص وقت کے ایک مقام پر گمراہی اور باطل راہ پر ہوتا ہے اور وقت کے ایک دوسرے مقام پر اُسے چھوڑ کر سیدھی راہ کی طرف مڑتا ہے اور استقامت (صراط مستقیم) پر مائل ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید کے بارہ کے بارہ مقام جہاں اصطلاح حَنِيۡفًا اور حُنَفَآءَ استعمال ہوئی ہے ارباب لغت کے اس خیال کی پر زور نفی کرتے ہیں۔ حَنِيۡفًا ایسا شخص نہیں ہوتا جو گمراہی سے استقامت کی طرف مائل، غلط راستے سے ہٹ کر (مڑ کر) سیدھی راہ پر آتا ہے بلکہ ٱلدِّينُ ٱلۡقَيِّمُ یعنی ''اللہ الہٰ ہے'' پر پہلے سے قائم ہوتا ہے۔ اور اس کی ضد وہ شخص ہوتا ہے جو مشرک ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنے ہی تراشے ہوئے بتوں کو تخیل سے نام دے کر انہیں الہٰ سمجھتا اور قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے مختص بندوں، رسولوں کے انداز بیان میں کمال اور لطافت یہ ہے کہ وہ بات کو ''فصل''، یعنی الگ الگ کر کے بیان کرتے ہیں کہ سامع کیلئے رشد اور کج الگ اور واضح ہوتے چلے جائیں۔ اس لئے وہ جب بھی حَنِيۡفًا کا ذکر کریں گے تو اسے اس کی ضد، کج سے ممیز کرنے کیلئے کہتے ہیں وَمَا كَانَ مِنَ ٱلۡمُشۡرِكِينَ ''اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا''۔ اس انداز بیان میں جو حقیقت، اثبات ہے اسے پہلے بیان کیا گیا اور جو حقیقت نہیں اس کی نفی بعد میں کی گئی جس نے پہلے بیان کی گئی حقیقت کی پُر زور تصدیق بھی کر دی۔ سبحان اللہ! اللہ رب العزت کے دوست ابراہیم علیہ السلام اور اس کے دوسرے تمام انبیاء کرام علیہم السلام منصب رسالت پر فائز ہونے سے قبل بھی ٱلدِّينُ ٱلۡقَيِّمُ یعنی ''اللہ الہٰ ہے'' پر قائم تھے۔ ان تمام کو عقیدت وادب سے ہماری جھکی نگاہوں کے ساتھ سلام ہو۔

قرآنِ مجید کائنات کی منفرد کتاب ہے۔ یہ لاریب ہونے کے دعویٰ کو وقفے وقفے سے دہراتی بھی ہے اور بار بار دعوت دیتی ہے کہ اسے غلط ثابت کرنے کی کوشش کر دیکھو۔ اس کے لاریب ہونے کی وجہ بتائی

وَمَا كَانَ هَـٰذَا ٱلْقُرْءَانُ أَن يُفْتَرَىٰ مِن دُونِ ٱللَّهِ

''اور یہ قرآنِ مجید ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اتنی عظیم اور اہم کتاب بنالے

وَلَـٰكِن تَصْدِيقَ ٱلَّذِى بَيْنَ يَدَيْهِ

بلکہ اس کی جو سامنے (اس سے قبل نازل کردہ) ہے تصدیق ہے

وَتَفْصِيلَ ٱلْكِتَـٰبِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ ۝

اور جہانوں کے رب کی جانب سے کتاب کا کھلا بیان ہے جس میں کوئی شک وشبہ (ریب) نہیں'' (سورۃ یونس۔۳۷)

لیکن آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ کے پیش کرنے پر انسانوں کا ایک گروہ اسے تسلیم نہ کرنے اور دوسرے لوگوں کو اس سے دور رکھنے کا بہانہ یہ بتاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں بلکہ اُن کی اپنی تصنیف ہے، ان کا اپنا بیان ہے، ان کی ''حدیث''یعنی اپنی بات ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ ٱفْتَرَىٰهُ

''کیا وہ کہتے ہیں کہ ''اس نے اسے از خود تصنیف کرلیا ہے''

قُلْ فَأْتُوا۟ بِسُورَةٍ مِّثْلِهِۦ

''آپ (ﷺ) کہیں ''تو (جاؤ) اس کے مثل ایک سورۃ تم بھی لے آؤ

وَٱدْعُوا۟ مَنِ ٱسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ ۝

اور اس کام کیلئے اللہ کے سوا جسے بھی بلا سکتے ہو اسے بلا لو، اگر تم (اپنے اس قول میں) سچے ہو'' (سورۃ یونس۔۳۸)

أَمْ يَقُولُونَ ٱفْتَرَىٰهُ

''کیا وہ کہتے ہیں کہ ''اس نے اسے از خود تصنیف کرلیا ہے''

قُلْ فَأْتُوا۟ بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِۦ مُفْتَرَيَـٰتٍ

''آپ (ﷺ) کہیں ''تو (جاؤ) اس جیسی تصنیف کی ہوئی دس سورتیں تم بھی لے آؤ

وَٱدْعُوا۟ مَنِ ٱسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ ۝

اور اس کام کیلئے اللہ کے سوا جسے بھی بلا سکتے ہو اسے بلا لو، اگر تم سچے ہو'' (سورۃ ھود (سورۃ نمبر۔۱۱)۔۱۳)

أَمۡ يَقُولُونَ ٱفۡتَرَىٰهُ

کیا وہ کہتے ہیں کہ "اس نے اسے از خود تصنیف کر لیا ہے"

قُلۡ إِنِ ٱفۡتَرَيۡتُهُۥ فَعَلَيَّ إِجۡرَامِي وَأَنَا۠ بَرِيٓءٞ مِّمَّا تُجۡرِمُونَ ۝

"آپ (ﷺ) کہیں "اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو میرا جرم مجھ پر ہے، اور جو جرم تم کرتے ہو اس سے میں بے تعلق ہوں" (ھود۔۳۵)

أَمۡ يَقُولُونَ ٱفۡتَرَىٰهُ

کیا وہ کہتے ہیں کہ "اس نے اسے از خود تصنیف کر لیا ہے"

بَلۡ هُوَ ٱلۡحَقُّ مِن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوۡمٗا مَّآ أَتَىٰهُم مِّن نَّذِيرٖ مِّن قَبۡلِكَ لَعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُونَ ۝

"نہیں! بلکہ وہ آپ کے پروردگار کی طرف سے دوٹوک بیان حقیقت ہے تا کہ آپ اُن لوگوں کو خبردار کریں
جن کے پاس آپ (ﷺ) سے قبل کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تا کہ وہ صحیح راہ پر چلیں" (سورۃ السجدہ۔۳)

أَفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِۦ جِنَّةُۢ

(اور انکار کرنے والے لوگوں سے کہتے ہیں) "کیا اس نے اللہ کے بارے میں جھوٹ گھڑا ہے یا اسے کوئی جنون ہے؟"

بَلِ ٱلَّذِينَ لَا يُؤۡمِنُونَ بِٱلۡأٓخِرَةِ فِي ٱلۡعَذَابِ وَٱلضَّلَٰلِ ٱلۡبَعِيدِ ۝

نہیں! (ان کا یہ کہنا جھوٹ ہے) درحقیقت جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ عذاب اور دور کی گمراہی میں پڑے ہیں" (سورۃ سباء۔۸)

أَمۡ يَقُولُونَ ٱفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبٗاۖ

"کیا وہ کہتے ہیں کہ "اُس (آپ ﷺ) نے اللہ پر جھوٹ گھڑا ہے؟"

فَإِن يَشَإِ ٱللَّهُ يَخۡتِمۡ عَلَىٰ قَلۡبِكَۗ

اور اگر اللہ یوں چاہتا تو آپ (ﷺ) کے قلب پر مہر لگا دیتا

(جس کی وجہ سے قلب سے نکال نہ سکتے، یعنی آپ ﷺ انہیں قرآن مجید نہ سناتے (حوالہ یونس۔۱۶)، اور نہ تحریر کر کے انہیں دیتے)۔

وَيَمۡحُ ٱللَّهُ ٱلۡبَٰطِلَ وَيُحِقُّ ٱلۡحَقَّ بِكَلِمَٰتِهِۦٓۚ إِنَّهُۥ عَلِيمُۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ۝

مگر اللہ تو جھوٹ کو مٹاتا ہے اور حق کو اپنے کلمات سے حق ثابت کرتا ہے۔ بیشک وہ سینوں کے بھید جانتا ہے" (الشوریٰ۔۲۴)

تَنزِيلٞ مِّن رَّبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿٤٣﴾

یہ جہانوں کے رب کا نازل کیا ہوا ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ ٱلْأَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾

اور اگر وہ (بالفرض) ہمارے بارے میں (اپنی جانب، تلقاءِ نفس سے) بعض اقوال بنا کر کہتے (جس کیلئے تم ان سے مطالبہ کرتے رہے)

لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِٱلْيَمِينِ ﴿٤٥﴾

تو ہم ان کے دائیں ہاتھ کو پکڑ لیتے، (دایاں ہاتھ کیوں۔ وجہ؟ اس لئے کہ آپ ﷺ دائیں ہاتھ سے لکھتے ہیں) (الحاقۃ۔۴۳۔۴۵)

ذہن میں محفوظ کسی بھی بات، حدیث کو دوسرے کو سنانے کیلئے پہلے دل، سینے میں لانا پڑتا ہے اور وہ حدیث زبان پر آنے سے قبل حبل الورید (Vocal Cord) کے ذریعے صوت پیدا کرتی ہے اور اس کے بعد انسان اپنے ہونٹوں اور زبان سے سننے والے کی زبان کے مطابق الفاظ کا روپ دے کر منہ سے نکالتا ہے یا اسے ضبط تحریر میں لاتا ہے۔ اور رسول کریم ﷺ نے یہی بات لوگوں کو یوں بتائی

قُل لَّوْ شَآءَ ٱللَّهُ مَا تَلَوْتُهُۥ عَلَيْكُمْ وَلَآ أَدْرَىٰكُم بِهِۦ

''آپ (ﷺ) فرمائیں ''اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں یہ (قرآنِ مجید) نہ سناتا۔ اور نہ وہ تمہیں اس کا ادراک ہونے دیتا'' (حوالہ یونس۔۱۶)

'' أَقَاوِيلِ '' جمع ہے اقوال کی جو جمع ہے قول کی۔ قول میں موجود مواد، حدیثوں، باتوں کو کہتے ہیں۔ اقوال کو دوسروں تک پہنچانے کے ذرائع دو ہیں۔ منہ کی زبان اور تحریر۔ قولِ رسولِ کریم وہ ہے جو جہانوں کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ اگر معاذ اللہ رسولِ کریم نے اپنی جانب سے بھی کچھ اقوال بنائے ہوتے تو ان کو دوسروں تک دو ہی طریقوں سے پہنچا سکتے تھے، زبان مبارک سے انہیں سنا کر یا ضبط تحریر میں لانے کے بعد انہیں لوگوں کو دیتے۔ اگر زبان سے سناتے تو یہ اُن لوگوں تک محدود رہتے جو اُس زمان میں زندہ تھے اور زمان کی گزرگاہ میں سینہ بہ سینہ آگے آتے تو انہیں تسلیم کرنے میں تذبذب ہوتا کہ یہ آپ ﷺ کے اقوال ہیں بھی یا نہیں۔ اقوال سنانے کا تعلق زبان سے ہوتا ہے اور کسی کو من گھڑت اقوال سنانے سے روکنا ہو تو یہ کہنا بے معنی بات ہے کہ اس کے دائیں ہاتھ کو پکڑ لیا جائے گا بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ اس کی زبان کاٹ دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ہے کہ اگر معاذ اللہ رسولِ کریم ﷺ اپنی جانب سے کچھ اقوال بنا کر لوگوں کو تحریر میں دیتے تو ان کے دائیں ہاتھ کو پکڑ لیا جاتا۔ وجہ؟ اس لئے کہ آپ ﷺ دائیں ہاتھ سے لکھتے ہیں۔

وَمَا كُنتَ تَتْلُوا۟ مِن قَبْلِهِۦ مِن كِتَـٰبٍ وَلَا تَخُطُّهُۥ بِيَمِينِكَ (حوالہ العنکبوت۔۴۸)

''اور آپ (ﷺ) قرآنِ مجید کے نزول سے قبل کتاب میں سے پڑھنا جانتے تھے اور نہ دائیں ہاتھ سے لکھنا جانتے تھے''

قولِ رسولِ کریم ﷺ کے متعلق بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید بتایا

وَإِنَّهُۥ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٨﴾

اور یقیناً یہ متقین کیلئے ایک نصیحت / یاد دہانی / رہنما ہے۔

وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنكُم مُّكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾

اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ تم میں اس (قرآنِ مجید) کو جھٹلانے والے لوگ بھی ہیں۔

وَإِنَّهُۥ لَحَسْرَةٌ عَلَى ٱلْكَـٰفِرِينَ ﴿٥٠﴾

اور یہ (قرآنِ مجید) انکار کرنے والوں کیلئے باعث حسرت ہے۔

وَإِنَّهُۥ لَحَقُّ ٱلْيَقِينِ ﴿٥١﴾

اور یقیناً یہ (قرآنِ مجید) یقینی بیانِ حقیقت ہے۔

فَسَبِّحْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلْعَظِيمِ ﴿٥٢﴾

اس لئے آپ (ﷺ ان کی کہی اختراع کردہ باتوں کا غم نہ کریں) اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح کئے جائیں'' (الحاقۃ۔۴۰۔۵۲)

أَمْ يَقُولُونَ ٱفْتَرَىٰهُ ۖ

کیا وہ کہتے ہیں کہ ''اس نے اسے ازخود تصنیف کرلیا ہے''

قُلْ إِنِ ٱفْتَرَيْتُهُۥ فَلَا تَمْلِكُونَ لِى مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا ۖ

'آپ (ﷺ) کہیں ''اگر میں نے اسے تصنیف کرلیا ہے تو اللہ کے مقابلے میں میرے لئے تم کوئی اختیار نہیں رکھتے' (حوالہ الاحقاف۔۸)

قرآنِ مجید کی حقیقت یہ ہے:

تَبَارَكَ ٱلَّذِى نَزَّلَ ٱلْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِۦ لِيَكُونَ لِلْعَـٰلَمِينَ نَذِيرًا ﴿١﴾

ثبات ہے اُسے جس نے اپنے بندے پر الفرقان (قرآنِ مجید) نازل فرمایا تا کہ وہ جہانوں کیلئے خبردار کرنے والے ہو جائیں (الفرقان۱)

وَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ إِنْ هَـٰذَآ إِلَّآ إِفْكٌ ٱفْتَرَىٰهُ

''اور انکار کرنے والے کہتے ہیں ''یہ تو صرف جھوٹ ہے جو انہوں (رسول کریم) نے گھڑلیا ہے

وَأَعَانَهُۥ عَلَيْهِ قَوْمٌ ءَاخَرُونَ ۖ

اور دوسرے لوگوں نے اس پر اُن کی مدد کی ہے''

فَقَدْ جَآءُو ظُلْمًا وَزُورًا ۝

ہاں! وہ ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں'' (الفرقان۔۴)

انکار کرنے والے قرآنِ مجید کے بیان کو رسولِ کریم ﷺ سے منسوب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ باتیں از خود بنائی ہیں جنہیں اختراع کرنے میں دوسرے لوگوں نے بھی اُن کی مدد کی ہے۔اور آیت ۵ میں فرمایا

وَقَالُوٓاْ أَسَٰطِيرُ ٱلۡأَوَّلِينَ ٱكۡتَتَبَهَا

’اور انہوں نے کہا‘ ’یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اس نے لکھ لی ہیں‘‘

فَهِيَ تُمۡلَىٰ عَلَيۡهِ بُكۡرَةٗ وَأَصِيلٗا ٥

اور (مدد کرنے والوں کی جانب سے) جو اسے صبح وشام املاء کرائی (لکھائی) جاتی ہیں‘‘

قرآنِ مجید بیانِ حقیقت ہے۔ یہ الفرقان ہے۔ بات کو دوٹوک بیان کرتا ہے۔ نزولِ قرآنِ مجید سے قبل آقائے نامدار ﷺ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے’ اور آپ (ﷺ) اس سے قبل کتاب میں سے نہ پڑھنا جانتے تھے اور نہ دائیں ہاتھ سے لکھنا جانتے تھے‘‘ (العنکبوت ۔۴۸)۔ اور آقائے نامدار ﷺ کے ہم عصر مکہ مکرمہ کے باسیوں نے بھی اس حقیقت سے روشناس کرایا ہے کہ بعد ازاں آقائے نامدار، نبی امی ﷺ اپنے دست مبارک سے لکھا کرتے تھے۔ یہ بات ایک شخص نے نہیں بلکہ نہ جانے کتنے ہی لوگوں نے کہی تھی کہ قَالُوٓاْ جمع کا صیغہ ہے۔ ’’اِکْتَتَبَهَا‘‘ ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، هَا ضمیر واحد مؤنث غائب اور معنیٰ ’’اُس ایک مرد نے اُن کہانیوں کو لکھ لیا ہے‘‘۔ ’’تُمْلَىٰ‘‘ مضارع مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب معنیٰ ’’وہ کہانیاں املاء کرائی جاتی ہیں‘‘۔ املاء کرائی گئی بات کو لکھا جاتا ہے اور لکھنے والا کاتب کہلاتا ہے (حوالہ سورۃ البقرۃ ۔۲۸۲)۔ رسولِ کریم ﷺ کے متعلق مکہ کے انکار کرنے والوں لوگوں نے کہا تھا کہ قرآنِ مجید وہ کہانیاں ہیں جو آپ ﷺ نے اختراع کر کے خود لکھ لی ہیں اور دوسرے لوگ بھی آپ ﷺ کی مدد کرتے ہیں جو صبح وشام انہیں کہانیاں املاء کراتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کو فروں نے کہانیوں کا کاتب کہا تھا۔ سبحان اللہ! مکہ کے لوگوں کی زبان سے بیان کردہ ایک حقیقت، ہم تک پہنچی کہ آقائے نامدار ﷺ نے اپنے (دائیں) دست مبارک سے قرآنِ مجید کو لکھا تھا۔ اللہ رب العزت مشرکین مکہ کے اس قول کا راوی ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچ بیان کرنے والا کوئی ہے نہیں۔ لکھنے والے رسولِ کریم ﷺ ہیں اور جو انہوں نے لکھا وہ اس وقت کے مکہ کے اکثر لوگوں کے بقول ’’اگلے لوگوں کی کہانیاں تھیں‘‘ جو حقیقت میں لازوال تفسیر حقیقت قرآنِ مجید، الفرقان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بتائے جانے کے باوجود تخیل اور قیاس پر مبنی باتوں کو درخورِ اعتناء سمجھنے کی کیا حاجت رہ جاتی ہے جن میں یہ اظہار ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے قرآنِ مجید خود نہیں لکھا تھا؟ آقائے نامدار ﷺ پر درود وسلام ہے ہر لحہ صبح وشام۔

قرآنِ مجید کی کتابت کے متعلق عجیب وغریب باتیں زبان زدعام ہیں کہ ابتدا میں یہ چمڑے اور ہڈیوں وغیرہ پر لکھا گیا تھا اور یہ کہ عرب میں کاغذ دستیاب نہ تھا۔ اُس وقت کے عرب میں نہ صرف کاغذ دستیاب تھا بلکہ کتابیں بھی موجود تھیں اور لوگوں کا ادراک بھی یہی تھا کہ کتاب کاغذ پر لکھی ہوتی ہے۔ اس بات کی تائید کیلئے کسی خارجی شہادت رعلم کی بھی ہمیں ضرورت نہیں کیونکہ اہل ایمان کے متعلق بتایا

فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ فَيَعۡلَمُونَ أَنَّهُ ٱلۡحَقُّ مِن رَّبِّهِمۡۖ

''پھر جو ایمان والے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کے رب کی جانب سے وہ بیانِ حقیقت ہے'' (حوالہ البقرۃ۔۲۶)

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَٰتِ ٱللَّهِۚ

''اور اللہ کی باتوں کو کوئی بھی بدل نہیں سکتا'' (حوالہ الانعام۔۳۴)

اہل کتاب بھی حجاز عرب میں مقیم تھے۔ان کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا

يَسۡـَٔلُكَ أَهۡلُ ٱلۡكِتَٰبِ أَن تُنَزِّلَ عَلَيۡهِمۡ كِتَٰبًا مِّنَ ٱلسَّمَآءِۚ

''آپ (ﷺ) سے یہ اہلِ کتاب اگر آج یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ آسمان سے لکھی لکھائی کتاب ان پر نازل کراؤ''

(تو اس سے بڑھ چڑھ کر مطالبے یہ پہلے موسیٰ (علیہ السلام) سے کر چکے ہیں) (حوالہ النساء۔۱۵۳)

وَلَوۡ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ كِتَٰبًا فِي قِرۡطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيۡدِيهِمۡ لَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ إِنۡ هَٰذَآ إِلَّا سِحۡرٌ مُّبِينٌ ۝٧

''اے رسولِ کریم (ﷺ)! اور اگر ہم نے آپ پر (قرآنِ مجید) نازل کیا ہوتا لکھا ہوا کاغذ پر

اور لوگوں نے اُس (لکھے ہوئے قرآنِ مجید) کو اپنے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ بھی لیا ہوتا

تب بھی جنھوں نے حق کا انکار کیا ہے وہ یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے'' (الانعام۔۷)

الواح اور کاغذ کو دوام اور ثبات نہیں۔اس لئے ان پر لکھی ہوئی تحریر کتاب کو دوام اور ثبات کا حامل قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔قرآنِ مجید ایک ایسی کتاب ہے جسے رسولِ کریم ﷺ کے قلب مبارک پر نازل کیا گیا۔ رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ ''(محمد ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں''۔اور آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ قرآنِ مجید کے ذریعے خبردار فرماتے ہیں اس لئے آقائے نامدار ﷺ کی طرح قرآنِ مجید کو بھی دوام اور ثبات ہونا چاہئے کیونکہ یہی ذریعہ ہدایت ہے لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ۝ ''ہر دور (مقررہ مدت، اجل) کیلئے کتاب ہے'' (حوالہ الرعد ۳۸)۔اور يَمۡحُواْ ٱللَّهُ مَا يَشَآءُ وَيُثۡبِتُۖ ''اللہ جسے ختم، زائل کرنا چاہتا ہے اسے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے ثبات، دوام دیتا ہے''۔جس کتاب کو ثبات، دوام عطا فرمایا وہ قرآن مجید ہے جو میرے اور آپ کے آقا، آقائے نامدار ﷺ کے قلب مبارک پر نازل فرمایا۔''ہدایت'' ظُلُمَٰتِ یعنی اندھیروں سے نکل کر منزل پر پہنچانے والے راستے تک پہنچنے کا نام ہے اور ''ہدایت'' کیلئے ایک روشن، واضح، ثبات کے حامل ذریعے، واسطے کی ضرورت ہے۔

قرآنِ مجید نے زمانہ نزول کے بعد کے لوگوں کیلئے کوئی ابہام نہیں رہنے دیا کہ اس زمانے میں نہ صرف کاغذ موجود تھا بلکہ آج کی طرح کتاب کے متعلق اُس وقت بھی لوگوں کا ادراک تھا کہ یہ کاغذ پر لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ اس زمانے میں کاغذ پر تحریر کی گئی کتابیں موجود تھیں۔

انسائکلو پیڈیا برٹینکا سے بشکریہ ایک اقتباس:

History of printing Origins in China

By the end of the 2nd century AD, the Chinese apparently had dis covered printing; certainly they then had at their disposal the three elements necessary for printing: (1) pa per, the techniques for the manufacture of which they had known for several decades; (2) ink, whose basic f ormula they had known for 25 centuries; and (3) surfaces bearing texts carved in relief . Some of the texts were classics of Buddhist thought inscribed on marble pillars, to which pilgrims applied sheets of damp paper, daubing the surface with ink so that the parts that stood out in relief showed up; some were religious seals us ed to transfer pictures and texts of prayers to paper. It was probably this use of seals that led in the 4th or 5th cen tury to the development of ink of a good consistency for printing.

''اس تحقیق کے مطابق چین میں دوسری صدی عیسوی کے آخر تک پرنٹنگ دریافت ہو چکی تھی۔ پرنٹنگ میں استعمال ہونے والی ضروری اشیاء انہیں دستیاب تھیں یعنی کاغذ جس کو تیار کرنے کا طریقہ کئی دہائیوں سے جانتے تھے اور سیاہی جس کی تیاری کا فارمولا وہ پچیس صدیوں سے جانتے تھے''۔ مکۃ المکرّمہ مشہور و معروف تجارتی مرکز تھا اور قرآنِ مجید ساتویں صدی عیسوی کی ابتدا میں آیا تھا اس لئے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اُس وقت کے حجاز میں کاغذ دستیاب نہیں تھا۔ یاد رہے کہ اس وقت بھی مکہ کے لوگ کعبہ معظمہ پر غلاف چڑھاتے تھے۔ پرنٹنگ کے متعلق یہ تحقیق بہت بعد کے زمانے میں منظر عام پر آئی ہے لیکن قرآنِ مجید نے چودہ سو سال قبل ہی حقیقت کو بے نقاب کر دیا تھا وَلَوْ أَنَّمَا فِى ٱلْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَـٰمٌ اور اگر وہ سب درخت جو زمین پر ہیں ان کی قلمیں (واحد قلم) بن جائیں وَٱلْبَحْرُ يَمُدُّهُۥ اور سمندر سیاہی (حوالہ لقمان۔۲۷)۔ قرآنِ مجید کاغذ، قلم، سیاہی، دوات کی بات کرتا ہے لیکن اس کے باوجود تخیل سے بنائی گئی باتیں بھی ہیں جو دنیا کے ایک تجارتی مرکز میں قرآنِ مجید کو ہڈیوں پر لکھوانے کی داستانیں بیان کرتی ہیں جنہیں عقل نہیں مانتی

قرآنِ مجید نے روایتوں کے بل بوتے پر اہلیانِ مکہ کو غربت اور افلاس زدہ سمجھنے والوں کیلئے یہ اطلاع دی ہوئی ہے:

بَلْ مَتَّعْتُ هَـٰٓؤُلَآءِ وَءَابَآءَهُمْ حَتَّىٰ جَآءَهُمُ ٱلْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿٢٩﴾

'' مگر نہیں، میں نے اِن کو اور اِن کے باپ دادا کو ساز و سامان دیا ہے۔

یہاں تک کہ ان کے پاس بیان حقیقت (قرآنِ مجید) اور ایک جانا پہچانا رسول آیا'' (الزخرف۔۲۹)

وَإِنَّهُۥ لَتَنزِيلُ رَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿١٩٢﴾

''اور یقیناً یہ جہانوں کے رب کا اتارا ہوا ہے'' (الشعراء-۱۹۲)

تَنزِيلُ ٱلۡكِتَٰبِ لَا رَيۡبَ فِيهِ مِن رَّبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿٢﴾

''اس کتاب جس میں ریب کوئی نہیں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے'' (السجدہ-۲)

تَنزِيلَ ٱلۡعَزِيزِ ٱلرَّحِيمِ ﴿٥﴾

''یہ غالب اور سب سے زیادہ رحم کرنے والے کا نازل کیا ہوا ہے'' (یٰس-۵)

تَنزِيلُ ٱلۡكِتَٰبِ مِنَ ٱللَّهِ ٱلۡعَزِيزِ ٱلۡحَكِيمِ ۝

''کتاب (قرآنِ مجید) کا نازل کیا جانا اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور پنہاں کا علم رکھنے والا ہے'' (الزمر-۱، الجاثیۃ-۲، الاحقاف-۲)

تَنزِيلُ ٱلۡكِتَٰبِ مِنَ ٱللَّهِ ٱلۡعَزِيزِ ٱلۡعَلِيمِ ﴿٢﴾

''کتاب (قرآنِ مجید) کا نازل کیا جانا غالب اور علم والے اللہ کی طرف سے ہے'' (غافر-۲)

تَنزِيلٌ مِّنَ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ﴿٢﴾

''بے انتہا رحم کرنے والے الرحمٰن کی جانب سے نازل کی ہوئی ہے'' (فصلت-۲)

تَنزِيلٌ مِّنۡ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝

''ایک حکمت والے اور صاحب تعریف کی جانب سے اتاری ہوئی ہے'' (حوالہ فصلت-۴۲)

تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ۝

''یہ جہانوں کے رب کا نازل کیا ہوا (قرآنِ مجید) ہے'' (الواقعۃ-۸۰، الحاقۃ-۴۳)

إِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ ٱلۡقُرۡءَانَ تَنزِيلًا ﴿٢٣﴾

''یقیناً ہم نے آپ (ﷺ) پر یہ قرآن (مجید) رفتہ رفتہ نازل کیا ہے'' (الانسان-۲۳)

إِنَّآ أَنزَلۡنَٰهُ فِي لَيۡلَةِ ٱلۡقَدۡرِ ﴿١﴾

''ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا ہے'' (القدر-۱)

آقائے نامدار ﷺ کی حیات طیبہ میں اور اُن کے لوگوں سے الگ کر لئے جانے کے بعد بھی انسانوں کا ایک گروہ قرآنِ مجید

کا انکار کرنے کیلئے اس بے بنیاد شک کا اظہار کرتا ہے کہ یہ آپ ﷺ کی اپنی تصنیف اور باتیں (حدیث) ہیں۔ کتاب سے فرار کا یہ بہانہ ہے۔ ان لوگوں سے کہا گیا کہ اگر اپنے اظہارِ شک میں سچے ہیں

وَإِن كُنتُمْ فِى رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا۟ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِۦ وَٱدْعُوا۟ شُهَدَآءَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا۟ وَلَن تَفْعَلُوا۟ فَٱتَّقُوا۟ ٱلنَّارَ ٱلَّتِى وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَٰفِرِينَ ﴿٢٤﴾

"اور اگر تم لوگ اس کتاب کے بارے میں کسی شک میں مبتلا ہو جسے ہم نے اپنے بندے (رسولِ کریم ﷺ) پر وقتاً فوقتاً نازل فرمایا ہے تو (جاؤ) اس کے مثل ایک سورۃ ہی لے آؤ۔ اور اس کام کے لئے سوائے اللہ کے اپنے تمام مددگاروں کو بھی مدعو کر لو۔ اگر تم سچے ہو (تو ایسا کر کے دکھاؤ) (لیکن کوششوں کے باوجود) پھر اگر تم یہ نہ کر سکو اور یقیناً تم نہیں کر سکو گے (کیونکہ کتابِ لاریب تو صرف ایک ہے) تو ڈرو (اور بچو) اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر بنیں گے۔ اسے تیار کیا گیا ہے انکار کرنے والوں کیلئے" (البقرۃ۔۲۳۔۲۴)